Lesson 4: Al-Kahf (Ayaat 32-59): Day 16 سُوْرَۃُ الکھف کی تفسیر

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ ﴿۳۵﴾

اور (ایسی شیخیوں) سے اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔ کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو۔

1۔اس کا پہلا ظلم یہ تھا کہ وہ تکبر کر رہا تھا۔

2۔دوسرا ظلم یہ تھا کہ خود کو کریڈٹ دے رہا ہے۔

3)اور تیسرا ظلم یہ ہے کہ وہ آخرت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہے۔

اس کا ظلم یہ تھا قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا یہ ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جو مال کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جو آج مجھے مل گیا وہ کبھی نہیں پلٹے گا۔ لفظ تَبِيْدَ سے ہے ب ی د، اس کا روٹ ہے۔ خراب ہونے یا تباہ ہونے کے معنوں میں آتا ہے، یہ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ جب دولت ہوتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ یہ کبھی نہیں جائے گی۔ یہ اصل میں اپنے آپ کو کریڈٹ دے رہا ہے۔ میرا باپ بڑا مثالی ہے، میری پلاننگ بڑی اچھی ہے۔ ہر طرح سے سیکورٹی موجود ہے، اس کا مطلب یہ تھا کہ میرا باغ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اور اس کا دوسرا گمان یہ تھا۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو۔

اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔

یہ اس کی دوسری غلط فہمی تھی کہ میرا نہیں خیال کہ قیامت آئے گی۔ یہ تو ایسے ہی باتیں ہیں، قیامت کبھی نہیں آئے گی اور اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی تو دوسری بات وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ اور اگر مجھے اپنے رب کی طرف لوٹا ہی دیا گیا۔ یہ شخص بار بار رب کا لفظ بول رہا ہے، اس لئے کہ یہ شخص کافر نہیں تھا بلکہ مسلمان تھا یعنی اگر کبھی میرے رب کی طرف مجھے واپس بھیجا بھی گیا لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا تو میں اس سے بھی بہتر جگہ لازماً پاؤں گا۔ اس ایک آیت میں آخرت کے بارے میں مال کی کثرت کی وجہ سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب جمع کر دیں۔

1۔ مال کی کثرت سے جو پہلی خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ میرا رب مجھ سے خوش ہے۔ عموماً انسان اپنے رب کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے کہ جیسے ہم کسی سے زیادہ خوش ہوتے ہیں تو اس کو زیادہ مال دیتے ہیں اور جس سے ناراض ہوتے ہیں اس سے سارا ہی چھین بھی لیتے ہیں۔ یہ غلط فہمی ہے کہ اللہ نے مجھے اس لئے دیا ہے کہ وہ مجھ سے خوش ہے اگرچہ وہ نافرمان ہو، حرام کا ہو، اگرچہ نماز، روزہ ضائع کر کے اس مال کو پایا ہو لیکن بہت خوشی ہوتی ہیں کہ اللہ نے دیا ہوا ہے۔

دنیا میں جو ملا ہے وہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ اللہ کی رضا سے ملا ہو۔ کسی کو جب سزا ملتی ہے تو وہ خوش ہو کر نہیں دی جاتی بلکہ ناراض ہو کر دی جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ بعض دفعہ اس قسم کے بوجھ انسان پر ڈال دیتا ہے تاکہ ہم غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں۔

2۔ مال کی کثرت کے ساتھ دوسری غلط فہمی یہ پیدا ہوتی ہے کہ چونکہ یہاں مل گیا تو وہاں بھی ملے گا۔

3۔ تیسری غلط فہمی مال کی کثرت کے ساتھ چونکہ یہ دنیا اتنی خوبصورت ہے تو یہ ختم ہی نہیں ہو گی۔ سامان سو برس کا، پل کی خبر نہیں۔ جنہوں نے دنیا کو زیادہ سجایا ہوتا ہے ان کو موت، قیامت اور آخرت سے زیادہ ہی دوری محسوس ہوتی ہے۔ یہ شخص بھی کہہ رہا ہے کہ قیامت نہیں آنی اور آ بھی گئی تو اللہ سب سے پہلے مجھے سب سے زیادہ دے گا۔ آج بھی مادہ پرست لوگوں کا یہی نظریہ ہے۔ اور چونکہ میرے اندر کوئی خوبی تھی تو ہی اللہ تعالیٰ نے یہ مال دیا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾

تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اس (خدا) سے کفر کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔

صَاحِبُهٗ سے مراد دوسرا ساتھی ہے۔ یہاں عمل کی بات نوٹ کر لیں۔ پہلی بات کہ اس کو بولنے دیا اور ہم ان پانچ آیتوں میں پہلے شخص کی ہی بات سن رہے ہیں یہ بھی ایک خوبصورت نکتہ ہے کہ مومن پہلے پوری بات سنتا ہے۔ دوسرے کو پوری بات کرنے کا موقع دیتا ہے۔ ہم بات پوری نہیں ہوتی اور بیچ میں ہی بولنے لگ جاتے ہیں۔ یہ درست طریقہ نہیں ہے اور برا بھی لگتا ہے۔ آپ جب اگلے کو زیادہ بولنے دیتے ہیں تو وہ تھوڑی دیر کے بعد اپنی گرِپ لوز کر چکا ہوتا ہے۔ خدانخواسہ آپ کا کسی سے جھگڑا ہو تو آپ بے وقوف بنیں، اگلے کی ساری بات سُنیں، جی ٹھیک اور کچھ۔ جب ایسا کریں گے تو اس کا عملی نتیجہ یہ ہو گا کہ آخر میں بات چھوٹی لگے گی۔ یہ انسان کے اوپر شیطان کا ایک دھوکا ہوتا ہے ،اس لئے کبھی بھی ذہن میں کسی کو بتانے والی کوئی بات ہو تو کاغذ لے کر اس کو لکھنا شروع کر دیں، آزما کر دیکھیں گے کہ بتانے میں بات ہمیں ہمیشہ چھوٹی لگتی ہے۔ ہم سب انسان ہیں اور ہم میں سے کوئی

بھی اپنے آپ کو انسانیت کے جذبے سے اوپر کرلے تو یہ جھوٹ ہو گا، خود سے خود بات کر کے سنا کے ، لکھ کے اس کو پھاڑ کے پھینک دیں، اس سے آپ کے دل کا غبار ختم ہو گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سُنا کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، تو خود کو یا پھر اللہ تعالیٰ کو سنالیں۔ جب انسان دوسروں کے اوپر بہت زیادہ نظریں لگالیتا ہے تو پھر اس کو فائدے کی بجائے نقصان ہوتا ہے۔

اُس شخص نے اُسکی پوری بات سُنی۔ اب اس شخص نے کہا اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ کیا تو نے کفر کیا اُس ہستی سے جس نے تجھے پیدا کیا مٹی سے۔ تُرَابٍ مٹی کو کہتے ہیں۔ انسان کے پیدا ہونے کی پہلی سٹیج تھی، ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔ یہ شخص کتنا عقلمند ہے۔ پہلے شخص نے باغ کی بڑائیاں بیان کیں، وہ شخص بڑا بننا چاہتا تھا تو اس نے اس کی اوقات دکھادی کہ تو نطفے یعنی مٹی سے بنا ہوا ہے۔ یہ آج کے دَور کے کرنے کا کام ہے۔ آج کا دجل مادہ پرستی ہے ۔ لوگ گلیمری چیزوں کے نشے میں چور ہیں۔ اگر آج کے دور میں آپ لوگوں کو دین سے جوڑنا چاہتے ہیں تو یہ کام کیجیے جو آدھے جُملے میں اس شخص نے کر دیا کہ یعنی اوپر سے چمکتا ہوا گولڈن کاغذ اتار دیں تو نیچے سے مٹی کی دیوار نکلے گی۔ کبھی کسی کے گھر جا کر اس کی چمکتی ہوئی چیزوں کو پکڑ کر مت دیکھیں ۔ کبھی اس طرف نظر بھی نہ ڈالیں، وجہ یہ ہے کہ اگلے کو اور زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ دیکھا محنت کی ہے تو سب پسند کر رہے ہیں۔ لوگ تو پہلے ہی یہ چاہتے ہیں کہ ایک دفعہ یہ لوگ دل سے مرعوب ہو جائیں ، آپ جو کر سکتے ہیں، اس کی اصل دکھادیں۔ جو چیز اندر سے کھل جاتی ہے اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح آج کی عورت نے اپنی کشش ختم کر دی۔ اتنی ایکسپوز ہوئی کہ اب وہ کشش ہی نہیں رہی جو عورت کو یکدم، اچانک دیکھ کے ہوتی تھی۔

آج ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ لوگوں کی آنکھوں سے چڑھا ہوا یہ پردہ اتار دیں۔ یہ دنیا دھوکے کا پردہ ہے۔ جب اس کو آنکھوں سے اتارتے ہیں تو دنیا اس قسم کی سامنے آتی ہے کہ شائد اس کے بارے میں آپ نے کبھی سوچا بھی نہ ہو۔ کسی نے ایک تصویر شیئر کی کہ لکڑی کی پھٹیاں جوڑی ہیں اور ڈھانچہ بنا ہوا ہے، دیکھنے میں کوئی کشش نہیں لگ رہی اور ساتھ ہی ایک اور تصویر تھی کہ اُس ڈھانچے پہ فوم، چمڑا، لیدر چڑھا کر اُسے خوبصورت بنا دیا گیا ہے۔ بس یہی دُنیا ہے، اُوپر سے سجی سنوری اور اندر سے کھوکھلی۔ یہی کام دوسرا شخص کرتا ہوا نظر آرہا ہے کہ اس کے اوپر چڑھا ہوا پردہ اتار رہا ہے۔

تم تو نطفے سے بنے ہوئے ہو، تم تو مٹی کے ایک ذرے سے بنے ہو۔ تم اپنے آپ کو اتنا بڑا کیوں سمجھتے ہو۔ اگر ہم بھی یہی کام کریں، تو لوگوں کی آنکھوں سے یہ پردہ اتر جائے گا۔ لوگوں کو خوبصورت زندگی کا راز دکھائیں۔ آب اس شخص نے اُسکو اسکی اصل دکھا دی اور ساتھ ہی اپنا عقیدہ بھی بتا دیا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا ہی میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

1۔ اس کو پہلا سبق پڑھایا کہ انسان کمزور ہے، یعنی انسان کی اوقات بتا دی۔ قرآن کی زبان میں اس کو اِيَّاكَ نَعْبُدُ سیکھا دیا کہ تو عاجز ہے، کمزور ہے، بندہ بن کے رہ۔

2۔ پھر دوسرا سبق یہ سکھایا لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ. یعنی اللہ کی بڑائی۔

یہ دو کام کر دیں، لوگوں کو ان کا چھوٹا ہونا اور اللہ کا بڑا ہونا سیکھا دیں، تو لوگوں کے آدھے سے زیادہ مسئلے حل ہو جائیں گے۔

یہاں پہ دوسرا شخص اس کو حکم بھی دے سکتا تھا لیکن اس نے سادہ سے انداز میں کہا کہ میں تو اپنے رب کو مانتا ہوں، تو مان یا نہ مان۔ وہ تیری مرضی لیکن میری نظروں میں تو وہ رب ایسا ہی ہے۔ جتنا زیادہ اللہ کے ساتھ بندے کا تعلق درست ہوتا جائے گا زندگی سے گناہ ختم ہوتے جائیں گے۔ یہ بالکل ایسے ہے کہ غلام مالک کی جگہ پر اور مالک غلام کی جگہ بیٹھ جائے، تو اس سے سارا نظام بگڑے جائے گا۔ کیا پھر مالک غلام کی باتوں کو مانے گا اور پھر کیا غلام آقا کے آگے جھکے گا، بس ہم نے یہی کرنا ہے۔ آج لوگ ڈی لوکیٹڈ ہوئے ہیں، ہم نے اپنی لوکیشنز بدلی ہوئی ہیں۔ ہم اپنے رب کو پہچانے ہی نہیں۔ جس دن آپ کو اپنے رب کی اصل یاد آجاتی ہے تو آپ وہ نہیں رہتے، جو پہلے تھے۔

3۔ تیسرا سبق، اگلی آیت میں

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾

اور جب تو اپنی جنت میں داخل ہو رہا تھا تو اس وقت تیری زبان سے یہ کیوں نہ نکلا کہ ماشاء اللہ، لا قوۃ الّا باللہ؟ اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پا رہا ہے ۔

یہاں نعمتوں سے فیضیاب ہونے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ تو تو کمزور ہے لیکن تیرا رب سب سے اعلیٰ ہے اور اُس اعلیٰ رب نے تجھ جیسے کمزور کو ایک باغ دے دیا، جب تو باغ میں جاتا ہے تو ہر طرف خوبصورت منظر ہیں پھولوں اور پھلوں سے لدا ہوا تیرا باغ ہے، تو تجھے اس وقت مَا شَآءَ اللّٰهُ کہنا چاہیے تھا، جو میرے رب نے چاہا۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ وہی کہے گا جس کا دل اپنے رب کے ساتھ جڑا ہو گا۔ یہ جملہ زبان پر عادت سے نہیں بلکہ بندے کی سوچ سے آتا ہے۔ اگر بچوں کو بچپن سے سکھائیں گے تو بڑے

ہو کر بھول جائیں گے لیکن اگر اس مَاشَآءَاللہُ کو بچوں کی تربیت کا حصہ بنا دیں گے کہ بیٹا جو ملتا ہے رب سے ملتا ہے، جو دیا ہے رب نے دیا ہے، تو پھر ان کی زبان سے یہ بات عقیدہ بن کر نکلے گی مَاشَآءَاللہُ جو ملا رب سے ملا، جو دیا رب نے دیا، جو چاہا اس نے چاہا، لیکن ہم تو اپنی زندگی میں اس بارے میں سوچتے ہی نہیں، جتنا زیادہ ایک انسان کو اپنے رب کی قدرت کا یقین ہو جائے گا اتنا ہی وہ مانے گا، تو پھر مَاشَآءَ اللہُ کا لفظ زبان پر مذاق کی صورت میں نہیں نکلتا، بلکہ یہ دل کے اندر سے نکلتا ہے جو میرے رب نے چاہا۔ دن میں چار دفعہ بھی بچے کو دیکھیں گے تو مَاشَآءَاللہُ کہیں گے، یعنی یہ وہی ہے جو رب نے چاہا۔ گھر کو دیکھیں گے تو کہیں گے یہ میرا کمال نہیں یہ اللہ کا دین ہے۔

اصل طاقت اللہ کی ہے۔ اُسکی مرضی کے بغیر کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ تو گویا کہ لفظ مَاشَآءَاللہُ میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے کسی کے چاہنے سے، اسباب کے ہونے یا نا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ آج کے دور کا شرک ہے۔ اس نے کہا کہ میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔

تو آج اسباب وسائل کا شرک ہے۔ آج کا انسان اسباب میں کھو گیا، کہ ہائے باپ ہو گا تو بچہ پلے گا، باپ کے بغیر بچہ پلے گا ہی نہیں، اچھی نوکری تب ملے گی جب اچھی تعلیم ہو گی، یہ ایسا بڑا شرک ہے جس نے آج کی انسانیت کو پریشان کر دیا۔ کوئی بھی بڑے لوگ ہوں، امام بخاری، امام عُثیمین یا اور کوئی ، سب کی زندگیوں میں ایک ہی چیز مشترک پائی کہ غریب گھر میں پیدا ہوئے، پیدا ہوتے ہی یا تو باپ فوت ہو گیا یا پھر باپ چھوڑ کر چلا گیا۔ تو پہلے ہی ذہن سے یہ خیال نکال دیا کہ کسی کے بڑے ہونے کے لیے عزت دار ہونے کے لیے باپ شرط ہے۔ یہ تو اللہ کی شان ہے کہ باپوں کے ہاتھوں بچے اچھے بن

جائیں، لیکن ضروری تو نہیں ہے۔ ہم نے بچوں کے ذہن میں کوٹ کوٹ کر یہ کیریئر کا خیال ڈال دیا، تو کیریئر بلڈنگ کا لفظ بھی شرک ہے۔ تو سب کیریئر کے پیچھے ہی بھاگتے ہیں۔ بچیوں کا کیریئر تو گھر داری سے، ادب سے، حسن سلوک سے بنتا تھا آج ہم نے اس کا کیریئر بھی فزکس اور بیالوجی میں ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ جیسا وقت ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ویسے ہی حالات ڈال دیتا ہے۔ اس چیز کو ذہن سے نکال دیں کہ پڑھیں گے تو جاب ملے گی، جاب ملے گی تو کھائیں گے اور یہ آج کے دور کا پورا شرک ہے اور یہی آج کا دجل ہے۔ امام بخاری کے بارے میں ہے باپ کے پاس بڑا مال و دولت تھا۔ جن کی ساری زندگی دین میں لگ جاتی ہے ان کو مال کہاں سے ملتا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے مال کو کسی مضارفت میں لگا دیا، وہاں سے ہر مہینے آجاتا اور کھا لیتے تھے۔ جن کو اپنی زندگی گزارنے کے لئے مال چاہیئے، اُنکو تو اتنا بھی بہت ہے اور جن کو ہر وقت ضرب و تقسیم چاہیئے، ان کے تو گھر کے چار لوگ بھی کمائیں تو پوری نہیں پڑے گی۔ جس طرح ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، جیسے ہمارا قد بڑھتا رہتا ہے لیکن ایک خاص عمر تک وہ بھی بڑھنا رک جاتا ہے، اسی طرح ایک خاص حد تک بال اور دانت بھی رک جاتے ہیں۔ ہماری ذہنی استطاعت بھی خاص حد تک رہتی ہے۔

اسی طرح ہر انسان کو اپنی زندگی گذارنے کے لیے سرٹن لائن کھینچنی پڑے گی۔ جب آپ بوڑھے ہوں گے تو آپ کے پاس رکھا ہوا ڈالر کا نوٹ آپکو نہیں کھلائے گا بلکہ آپکو بچوں کی ضرورت پڑے گی جو آپ کو کھلائیں گے۔ اگلی آیت کی ساری تمہید بندھ رہی ہے کہ ہم جتنا بچوں کو اور مال کو اس سوچ کے ساتھ پالیں گے کہ یہ اللہ کی دین ہے، جتنا ان کی آخرت بنانے کی کوشش کریں گے اتنا ان کی دنیا بھی بہتر ہوتی جائے گی۔ وہی "ہوم سویٹ ہوم" بنیں گے۔ ورنہ باپ تو بیچارہ بس پیسے کمانے کی مشین

بن جائے گا۔ آپ مَا شَآءَ اللّٰہُ میں 'اللہ' کی جگہ اپنا نام لکھ لیں۔ وہ ہوتا ہے جو میں چاہتی ہوں۔ اور آج اکثر ہمارے منہ سے ایسے جُملے نکلتے ہیں کہ میں جو چاہوں کر سکتی ہوں، یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ تو ابھی تک کی باتوں سے یہ سیکھا کہ تکبر کرنا خود پر ظلم کرنا ہے، اس نے گویا کہ خود کو رب کا شریک بنالیا۔ یہاں شرک کے لئے کوئی بت، کوئی قبر، کوئی درخت وغیرہ نہیں ہے، بلکہ جس کو سجدہ کیا جارہا ہے یہ 'انا' ہے۔ یہ وہی جملہ ہے جو فرعون نے بولا تھا انا ربکم الاعلیٰ۔ کہ اس کا شریک اس کا اپنا نفس ہے۔

ایک اور بات جو پتہ چلتی ہے کہ بعض دفعہ جب لوگوں کو دنیا میں بہت مل جاتا ہے تو یہ سوچتے ہیں کہ اب ہم ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں، جب اللہ کی طرف سے ایک جھٹکا آتا ہے تو وہ ساری قدرت چلی جاتی ہے۔

جس طرح یہ دنیا تھوڑی تھوڑی کر کے آتی ہے اسی طرح تھوڑی تھوڑی کر کے چلی بھی جاتی ہے۔ اور کسی کی تو ایک ہی جھٹکے میں چلی جاتی ہے، دل کا مرض لاحق ہوتا ہے تو بستر پہ چلے جاتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ دنیا میں جو بھی ملتا ہے صرف امتحان کے لئے ملتا ہے اور آخرت میں انعام کے لئے ملے گا۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور پھر دولت کے ساتھ دکھاوا نہیں کرنا۔

ایک اور چیز جو بہت اہم ہے کہ مومن شخص اس باغ والے سے متاثر نہیں ہوا۔

ایک اور بات جو پتہ چلی جس طرح یہ اپنے باغ والے دوست کو سمجھا رہا ہے، تو اچھی دوست اچھی ساتھی اپنے دوست اپنے ساتھی اور اپنی سہیلی کو سمجھائے۔ خود سمجھائے یا کوئی ایسی چیز اس طرح اس

کے پاس پہنچادے کہ اس کو نصیحت مل جائے۔ اور اس آیت سے پتہ چلا کہ دوستوں کے ایمان کی فکر ہونی چاہیے۔ اِنۡ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنۡكَ مَالًا وَّوَلَدًا۔ اگر تم مجھے مال واولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو۔ میں تیری نظر میں میں کمتر ہو سکتا ہوں لیکن اپنی نظر میں نہیں ہوں۔ میرے دل کا حال تو یہ ہے۔

فَعَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يُّؤۡتِيَنِ خَيۡرًا مِّنۡ جَنَّتِكَ وَيُرۡسِلَ عَلَيۡهَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِيۡدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمہارے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے۔

مومن ہمیشہ اللہ سے پر امید ہوتا ہے یہ نہیں کہہ رہا کہ مجھے تیرے باغ جیسا مل جائے بلکہ کہہ رہا ہے تیرے باغ سے بھی زیادہ مل جائے۔ اس کے پاس اسباب تو کچھ بھی نہیں تھے۔ اسباب نہ ہونے کے باوجود ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ اس میں ایک حدیث بہت پیاری آتی ہے۔ اسکا خلاصہ ہے کہ اچھے دنوں کا انتظار عبادت کی بہترین قسم ہے۔

آج کا سبق اُن تمام ساتھیوں کے لئے جن کے پاس جاب نہیں ہے، وسائل نہیں ہیں، سب کے لئے یہ بات شرح صدر کی طرح ہو جانی چاہیئے۔ پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی دیکھیں تو کتنا اللہ کے نبیؐ کا رویہ آج کے کسی بھائی کے رویے جیسا دکھتا ہے۔ جیسا آج کے مسلمان بھائیوں کا اُٹھنا بیٹھنا ہے کیا آپ کے تصور میں اللہ کے نبیؐ کا آتا ہے۔ ان کو طلب تڑپ اور فکر ایک ہی تھی کہ اللہ کے بندے، اللہ کا دین، اللہ کا پیغام اور اللہ کی باتیں۔ مکہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنے بڑے چیلنجز بھی نہیں تھے۔ مکہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی کام تھا۔

پہلا حکم اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِىۡ خَلَقَ ۚ پوری مکی زندگی کا خلاصہ دیکھ لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی سے لڑتے تھے نہ جھگڑتے تھے بس ایک ہی کام کر رہے تھے قُوۡلُوۡا لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

یہ ہم میں سے کسی ایک کے کرنے سے ایسے نہیں ہو گا۔ جب اس ساری امت مسلمہ ایسے ہی کرنے لگ جائے تو پھر ہو جائے گا۔ آج ہم سب اپنے ماحول کے غلام ہیں۔ آج کے مسلمان کا سب سے بڑا مسئلہ کھانا ہے، مال ہے۔ آپ جہاں آج بیٹھے ہیں یہاں سے لوگوں کو ایمرجنسی ڈورز دکھا سکتے ہیں۔ ہماری کتنی نسلیں ہو گئی ہیں جو پس رہی ہیں۔ آج تو چھوٹے سے بچوں کے چہرے پر پریشانی اور تفکرات نظر آتے ہیں۔ ہمارے دور میں بچوں کی زندگیاں بڑی خوبصورت ہوتی تھی اور آرام و سکون کی ہوتی تھی۔ کسی ملک کا ایک ٹریک ہے جو انہوں نے ایک مہم چلائی کہ عورتوں کو گھر سے باہر نکالو، عورتیں گھر بیٹھ کر بے کار ہو جاتی ہے، جس ملک کی آدھی آبادی گھر بیٹھی ہے تو وہ ملک ترقی نہیں کرے گا۔ انہوں نے باقاعدہ عورتوں کو گھروں میں پیغام بھیجے اور عورتوں کو مراعات دے کر گھروں سے نکالا۔ جب عورتیں گھروں سے نکلی تو اُن کے پاس کوئی ہُنر نہیں تھا۔

تو پھر دوسرا اسٹیپ انہوں نے لیا کہ عورتوں سے کہا کہ گھروں سے باہر نکلو، ہم تمہیں پڑھنا سکھائیں گے، کمپیوٹر سکھائیں گے، اور ساتھ پیسے بھی دیں گے۔ یہ بیماری آج سے پانچ سات سال پہلے اس ملک میں نہیں تھی۔ انہوں نے مہم چلائی کہ ہماری پاکستانی عورتیں بھی گھروں سے نکلیں۔ یہ پھسلنے والا راستہ ہے جس کے لیے آگے لفظ زَلَقًا آرہا ہے۔ جب عورتیں سیکھ لیتی ہیں تو کہتے ہیں اب آپ گھر تو نہیں بیٹھیں گی، تو آپ اپنے لیے جاب ڈھونڈیں۔ اگر آپکو نہیں ملتی تو وہ آپ کے لیے ڈھونڈتے ہیں۔ اس طرح وہ تین، چار سال کے اندر عورت کو پورا ورک سسٹم بنا دیتے ہیں۔ تو اس کے لئے مضبوط

قدم اٹھائیں۔اس بات پر یقین رکھیں کہ اللہ کی ذات نے ہر بندے کے لئے انتظام رکھا ہے۔جب ہم اللہ کے راستوں پر نکلتے ہیں، اللہ کے کام کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارا معاون بنتا ہے۔شرط یہی ہے کہ ہمیں اپنی نسلوں کو وہی پیغام دیا ہو جو اللہ کے نبیؑ کا پیغام تھا۔

اس شخص نے تو کہہ دیا خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ اور ساتھ ہی ساتھ اُس اگلے شخص کو تنبیہ کرنے کے لئے، یہاں جس شخص کا قصہ ہے اُس کے بارے میں تھوڑی سی تمہید باندھنی پڑے گی کہ مسلمان دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے۔اس کے لئے غلط بات نہیں سوچتا لیکن اس کو یہ پتہ ہوتا ہے کہ جو لوگوں کے رویے ہیں اس سے کیا نتیجہ نکلنے والا ہے۔تو اس نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے تو اپنے اس امیر دوست کے بارے میں کہا کہ مجھے ڈر ہے اس بات کا، وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا، اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے۔یعنی یہ باغ جس کے اوپر تو بہت مان کر رہا ہے، مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ آسمان سے کوئی آفت آئے گی۔لفظ حُسْبَانًا پتھروں کی بارش کو کہتے ہیں اور حُسْبَانًا کنکری کو بھی کہتے ہیں۔اس سے مراد عذاب ہے زَلَقًا پھسلنے والی چیز کو کہتے ہیں۔وہ پتھر جس پر کچھ اُگے نہ۔بہت چمکتا ہوا پتھر خوبصورت تو لگتا ہے لیکن اس پر کوئی اُگانے کی کوشش کرے تو نہیں اُگتا۔مراد یہ ہے کہ یہ باغ بظاہر چمکتا ہوا ہے، لیکن ہو سکتا ہے یہ ایسا ہو جائے کہ اس میں کچھ بھی نہ اُگے۔دوسرا اندیشہ یہ ہے۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو۔

مراد یہ ہے کہ کنویں کا پانی اتر جائے، یعنی جس پانی کی وجہ سے یہ باغ اتنا سرسبز ہے اگر یہ پانی ختم ہو گیا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا تو تم اس پانی کو کبھی بھی حاصل نہیں کر و گے۔ مطلب یہ کہ اتنا مان نہ کرو ایک وقت آئے گا۔ کسی بھی قسم کا عذاب آئے، پانی ختم ہو جائے یا اللہ کچھ بھی سبب پیدا کرے کہ تمھارا یہ باغ ختم ہو جائے گا اور تم نقصان میں آؤ گے۔

1۔ اس ساری بات کو پڑھنے کے بعد کیا اس نے اس کو بد دعا دی ہے؟

2۔ کیا اس نے حسد کیا ہے، جلا ہے۔؟

3۔ کیا اب ہم اپنے رشتہ دار کو یہی کہیں کہ ایک دن تمہارے کارخانے کو آگ لگ جائے گی۔

ایسا نہیں ہے بلکہ مومن کا کردار یہ ہے کہ مومن 'قیس' ہوتا ہے۔ قیس 'قیاس' سے ہے۔ یعنی آنے والے وقت کے خطرے کو پہلے سے ہی بھانپ لیتا ہے۔ تو یہ ایک آنے والے خطرے کا الارم ہے کہ آنے والے دور میں مادہ پرستی اتنی بڑھ جائے گی کہ ہو سکتا ہے شادی ہو اور ماں بننے کے سارے جراثیم جسم سے نکلوا دیں اس سوچ سے کہ اگر عورت نے بچے پیدا کیے تو وہ کما نہیں سکے گی۔ اس کی ہلکی سی جھلک آج بھی معاشرے میں موجود ہے۔ کہتے ہیں انہیں ابھی بچے پیدا نہیں کرنے ابھی تو اور پڑھنا ہے۔ آنے والے وقت میں پنپنے کے نام پہ یہ سب کچھ ہو گا۔ تو لہٰذا اس شخص نے بھی آنے والے خطرے کو بھانپ لیا تھا مومن کو یہ پتہ چل جاتا ہے کہ جو شخص جس روش پر چل رہا ہے، اسی راستے پر پہنچے گا۔ مومن کو یہ سمجھ آجاتی ہے کہ یہ جو اس کا لائف سٹائل ہے یہ آخر میں اس کو پکڑے گا۔

مثلاً آپ کہیں دور کسی جگہ سے ہو کے آئیں اور آگے ٹریفک بلاک ہے، رش ہے، سڑک ٹوٹی ہوئی ہے یا پھر کوئی اور حادثہ ہوا ہے، تو پیچھے سے جو دندناتی ہوئی گاڑیاں آ رہی ہیں ان کو کچھ خبر نہیں کہ آگے کیا ہوا ہے۔ پھر اگر کوئی ان کو کہتا ہے کہ تم ادھر نہ جاؤ یہ راستہ بلاک ہے، تو یہ خیر خواہی ہے۔

یہ بھی دراصل سراسر اس کی خیر خواہی ہے کہ پہلے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے جوڑ رہا ہے کہ مَا شَآءَ اللّٰہُ کہو اور دوسرا اس کو اس کے برے اعمال کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہے کہ یہ تم جو کچھ کر رہے ہو یہ صرف ایک خوابوں کا شیش محل ہے۔ ایک حلقے سے جھٹکے سے چکنا چور ہو گا اور پھر ایسے ہی ہوا۔

وَاُحِیۡطَ بِثَمَرِہٖ فَاَصۡبَحَ یُقَلِّبُ کَفَّیۡہِ عَلٰی مَاۤ اَنۡفَقَ فِیۡہَا وَہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا وَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِکۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ اور اس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا۔ تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا اس پر (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔

اللہ کو کوئی دیر نہیں لگتی، صرف ایک آندھی آئی ہو گی اور اس کا پورا باغ کوڑے کا ڈھیر بن گیا ہو گا ۔ لفظ وَاُحِیۡطَ بڑا میننگ فل ہے۔ سارا سمیٹ کے ایک طرف کر دیا، باغ اجڑ گیا، اولاد چھن گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسرا بندہ اللہ کا بڑا مقرب تھا، اس نے غریب دوست کو مال کا طعنہ دیا تھا اَنَا اَکۡثَرُ مِنۡکَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا لیکن اس نیک بندے کا دل دُکھا اور جس کی سزا اس کو فوری طور پر ملی۔ اس کو یہ سزا اس لئے ملی تھی کہ اس نے اللہ کے ایک نیک بندے کا دل توڑ دیا تھا۔

حدیثِ قُدسی کہ جس نے میرے کسی ولی یا میرے دوست سے دشمنی کی تو اس کو میری طرف سے جنگ کی خبر دے دو۔

یعنی اس کے لیے اعلان جنگ ہے۔ تو کبھی کسی کا دل نہیں توڑنا، اپنی بڑائی میں پڑ کے کسی کو دکھی نہ کریں۔ ایک فارسی کے شعر کا خلاصہ ہے کہ جب اللہ کے کسی بندے کے دل کو ٹھیس پہنچتی ہے تو اللہ اس کے بدلے میں پوری قوم کو گرفت میں لے آتا ہے۔

پھر اس کا حال بھی ہوا فَاَصۡبَحَ یُقَلِّبُ کَفَّیۡہِ عَلٰی مَاۤ اَنۡفَقَ فِیۡہَا ، تو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اُس پر جو کچھ اُس نے اُس پر خرچ کیا تھا۔ اصل مال بھی ڈوب گیا۔ بہت مال لگا ہوا تھا، وقت آیا کہ یہ سب کچھ چلا گیا۔ ساری زندگی کا سرمایہ ڈوب گیا اور باغ کا حال یہ تھا وَہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا اور وہ باغ اپنی چھتریوں پر گرا پڑا تھا۔ بعض کھجوروں کی بیلوں کو اُوپر کر کے باندھ دیتے ہیں اور چھت سی بنا لیتے ہیں، تو وہ سب بیلیں نیچے پڑی ہوئی تھی وَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُشۡرِکۡ بِرَبِّیۡۤ اَحَدًا ، اور کہنے لگا کہ کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔ اب سمجھ آیا کہ کس قسم کا شرک تھا۔ اب اس کو احساس ہوا۔ اس مکالمے سے یہ بات سمجھ آئی کہ اللہ کی ذات کو بھلا کر ظاہری اسباب اور مادی اسباب پر توکل کیا۔ یہ وہ شرک تھا جس کا آج وہ اعتراف کر رہا ہے۔ یہ آج کی مادہ پرست ذہنیت کا مکمل نقشہ ہے۔ یہ شرک جدیدہ ہے۔ یعنی نئی قسم کا شرک ہے۔ شرک ہر دور میں رسم و رواج بدلتا ہے اور اپنی شکل بدلتا ہے، تو آج کا شرک بھی یہی ہے۔

وَلَمۡ تَکُنۡ لَّہٗ فِئَۃٌ یَّنۡصُرُوۡنَہٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ وَمَا کَانَ مُنۡتَصِرًا ؕ ﴿۴۳﴾ اس وقت) خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

خود وہ کسی کا انتقام نہ لے سکا۔ لفظ مُنْتَصِرًا اِنْتَصَرَ سے ہے۔ نَصَرَ عام مدد کو کہتے ہیں لیکن جب آگئی تو اس کا مطلب ہوا کہ ظلم سے بچانا۔ وہ سارا کدھر گیا جس کے یہ گن گا رہا تھا کہ میری نفری بہت ہے، مال بہت ہے، تو وہ سب چلا گیا۔ جب چلا جاتا ہے تو اُس مال کی وجہ سے بننے والے دوست اور رشتہ دار بھی چلے جاتے ہیں۔ اس کو یہ بات سمجھ آگئی۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ اُس وقت معلوم ہوا کہ کارسازی کا اختیار خدائے برحق ہی کے لیے ہے، انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔

لفظ وَلَايَةُ کا روٹ و، ل، ی، ہے۔ ولی کے معنوں میں آتا ہے۔ 'ولایت' اختیار، والی کسی علاقے یا ملک کے حکمران کو کہتے ہیں۔ واؤ اگر 'زبر' کے ساتھ ہو 'وَل تو یہاں معنی مالک اقتدار کے ساتھ ہو گا۔ اس لفظ ولی سے بہت کچھ بنتا ہے، دوست اور پشت پناہی۔ اگر واؤ 'زیر' کے ساتھ ہو گی 'وِلایت' تو پھر اس سے مراد دوستی اور محبت ہو گی۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ، سورۃ بقرہ آیت۔ 257

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست خدا ہے کہ اُن کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔

اور سورۃ یونس، آیت 62 میں یہ بات پڑھ چکے کہ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ سن رکھو کہ جو خدا کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

یہ بات سمجھ آگئی کہ اختیار صرف اللہ کا ہے۔ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا، وہی بہتر ہے انعام دینے میں ،اور وہی بہتر ہے آخرت کے انجام سے۔ اس شخص کو یہ نصیحت حاصل ہو گئی۔ یہاں یہ قصہ مکمل ہو گیا۔ اور اس کو جو سکھانا تھا اس کا مقصد آگے ہے۔ چند باتیں جو اس قصے سے سیکھی جا سکتی ہیں۔

1۔ پہلی بات وہ شخص مسلمان تھا لیکن مال و دولت کے نشے میں بہک گیا تھا۔ جب دولت گئی، تو اس کو یہ بات سمجھ آگئی۔ عمل کی بات یہ ہے کہ بعض دفعہ دنیا کا مال، دولت اولاد چلی جاتی ہے لیکن ایمان کی دولت مل جاتی ہے۔ ایک بہت خوبصورت قول ہے کہ دنیا کی دولت اور ایمان کی دولت جتنی جتنی بڑھتی ہے اتنی رات کی نیند کم ہوتی جاتی ہے۔

دنیا کے بڑھنے سے راتوں کی نیند اس لیے جاتی ہے اور کمایا جائے اور اگر ایمان کی دولت آئی تو تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا۔ اُن کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور اُمید سے پکارتے۔

ایمان کی دولت والا راتوں کو اپنے رب سے بات کرتا ہے اور یہ مضمون

قرآن پاک میں کئی بار آیا ہے کہ جہاں لوگوں کو یہ باتیں سکھائی جاتی ہیں۔

2۔ دوسری بات جو لفظ مَا شَآءَ اللّٰهُ کہ اس پر بچوں کا عقیدہ بنائیں، کہو جو ملتا ہے اللہ سے ملتا ہے۔

دوسری بات مَا شَآءَ اللّٰهُ کہنے کو مذاق نہ بنائیں۔

3) سلف کہتے ہیں کہ اپنی مال یا اولاد یا کچھ پسند آئے تو یہ کلمہ پڑھ لو۔

مسند احمد کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں وہ خزانہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے اس بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔

حضرت ابو ہریرہ سے پھر پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صرف لاحول نہیں بلکہ جو سورہ کہف میں آتا ہے مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه۔ اکٹھا کہنا چاہیے۔ تو ماشاء اللہ کو اچھی طرح سے اپنی زندگی میں رکھیں اور اچھے طریقے سے ادا کریں۔

ایک اور بات جو یہاں سے پتہ چلی کہ جس طرح فرعون کو ڈوبتے ہوئے ایمان یاد آیا تھا، اسی طرح جب انسان کا سب کچھ ڈوب جاتا ہے تو اس وقت اس کو ایمان ملتا ہے۔ اگر زندگی کے اندر ہی یہ کام ہو جائے تو خوش قسمتی ہے۔ اس سے پہلے کہ موت کا نقارہ بج جائے اور پھر اس وقت انسان اپنے اوپر لے۔

پھر اسی طرح اس میں سے ایک اور چیز جو سمجھ آئی کہ جو چیز آپ کے اختیار میں نہ ہو

وہ آپ کی اپنی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ہم اگلی آیات کو پڑھیں گے۔ اگلی آیتوں میں دنیا کا ایک ڈھانچہ جو حقیقت میں ہے، ایک مثال کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا کی حقیقت سمجھائی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کر دو (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا۔ تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔ پھر وہ چوراچورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ اور خدا تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

پیچھے بھی انداز یہی تھا پہلے عملی کردار سے بات سمجھائی کہ دنیا ایک ڈھلتا سایہ ہے، کسی وقت بھی ختم ہو جائے گی اور ہم اس میں سے کچھ بھی نہیں لے پائیں گے۔ اب یہاں وہ چیز، وہ منظر جو اکثر ہم دیکھتے ہیں اس پر غور کرنا سکھایا گیا۔

دنیا کی زندگی کی مثال۔

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ۔ جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا۔ تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔۔ یعنی آسمان سے بارش ہوئی زمین پر سبزہ آیا فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ۔ پھر وہ چوراچورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں۔ هَشِيْمًا کا لفظ حشم سے ہے ھ ش م۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں بھی نام 'ہشام' آتا ہے۔ سوکھی روٹیوں کو سوپ میں بگھو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے، اسی سے وہ نام معروف ہو گی۔ یہاں اس سے مراد خزاں میں گرے ہوئے پتے ہیں۔ جب پاؤں کے نیچے آتے ہیں تو چوراچورا ہو جاتے ہیں، ریزہ ریزہ کرنے کا معنی آجاتا ہے اور تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ اشارہ ہے کہ آسمان سے بارش پڑتی ہے جو زمین میں سبزا دکھتا ہے۔ کچھ مہینے گزرتے ہیں یہ دوبارہ پھر زردی پہ چلا جاتا ہے اور یہ سب وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا۔۔ ، اور خدا تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس ایک آیت میں چاروں موسم آگئے ہیں۔

پہلے بارش برستی ہے۔ پھر زمین میں بیج ڈلتے ہیں، پھر اُگتے ہیں، پھر کچھ عرصہ وہ اندر رہتے ہیں۔ خزاں ، بہار، گرمی، سردی سب موسم اس کے اندر آتے ہیں۔ اور بلآخر پھر سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور درختوں سے ایک ایک پتہ گر جاتا ہے۔ انسان کی زندگی بھی یہی ہے۔ سبزے کا اگنا، پھر اس کا پھیلنا اور پھر خشک ہو کر خس و خاشاک کی شکل میں بدل جانا۔ زمین جب سبز ہوتی ہے تو ہر طرف بہار آجاتی ہے پھر جوبن پہ ہوتا ہے تو خوبصورت منظر لگتا ہے، یوں لگتا ہے کہ یہ منظر کبھی نہیں جائے گا لیکن آہستہ آہستہ زردی چھا جاتی ہے اور پتے ہی پتے۔ یوں لگتا ہے کہ یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

ہم انسانوں کی زندگی بھی ایسے ہی ہے۔ دو طرح سے ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں اور یہ آیت قرآن پاک میں مختلف انداز سے مختلف جگہ پر آتی ہے۔ سورۃ یونس کی آیت میں۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں بھی آتا ہے۔ پھر سورہ حدید میں بھی آتا ہے کہ یہ دنیا کی زندگی دیکھنے میں تو بڑی حسین لگتی ہے لیکن اس کے بعد اس کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اس کو انسان کے وجود سے اس طرح جوڑیں گے کہ انسان کے وجود کو دو حصوں میں رکھ لیں ایک ظاہری وجود۔

ظاہری وجود۔ جب پانی زمین کے اندر جاتا ہے، پھر باہر بیج نکلتا ہے تو سبزہ کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی طرح جب باپ کا پانی، ماں کے رحم میں پکتا ہے تو زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر اس کو انسان کی روحانی زندگی سے لیں تو پھر زندگی کا آغاز آسمان سے اترنے والی وحی سے ہوتا ہے۔ جس کو پیچھے سورہ بنی اسرائیل آیت 85 میں بھی پڑھ چکے ہیں قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ۔ کہو "یہ روح میرے رب کے حکم سے آتی ہے، قرآن پڑھتے ہوئے مردہ دلوں پر قرآن کی بارش ہوتی ہے اور اس طرح سے پھر انسان کے اندر ایک نئی زندگی آتی ہے لیکن پھر اگر آگے سے پانی نہ ملے، اس قرآن سے تعلق ٹوٹنے لگے تو دل مردہ

ہو جاتا ہے، خوشی ختم ہو جاتی ہے، تازگی چلی جاتی ہے۔ دل کی حالت وہ نہیں رہتی جو روز سُننے سے ہوتی ہے۔

اگر انسان کی زندگی دیکھی جائے تو جس دن بچہ دنیا میں آتا ہے وہ پھول کی کلی ہوتا ہے۔ نرم و ملائم آنکھیں بھی نہیں کھلی ہوتیں۔ جس طرح کلی کی بھی آنکھیں نہیں کھلی ہوتیں۔ کلی کے بعد ابھی گلاب مسکراتا ہی ہے کہ اس کی پتیاں گر جاتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ساری کلیاں پھول نہیں بنتی کوئی کلی پہلے سے ہی توڑ لی جاتی ہے اور اگر کوئی کلی پھول بن ہی جائے تو وقت کے ساتھ پھول گردن ڈھا دیتا ہے۔ یہی ہمارا حال بوڑھے ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ دانت نہیں رہتے، بال گر جاتے ہیں اور نہ ہی یہ پتہ کہ جوانی میں کس کی کلی ٹوٹ جائے گی۔ ہر پھول دولہن کے گجرے میں نہیں لگتا۔ کچھ پھول میت پہ بھی ڈالے جاتے ہیں۔ وہی پھول چمکتے دمکتے، لیکن ایک، دو دن بعد جب ان کو باہر کچرے میں پھینکتے ہیں تو یہ فرق ہی نہیں محسوس ہوتا کہ کون سے پھول دولہن کی سیٹج کے لیے تھے اور کون سے میت پہ ڈالے گئے تھے۔ اس دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اپنے انجام کی فکر کرو۔ ہر دن تمہاری زندگی سے یہ حُسن کم ہو رہا ہے، طاقت کم ہو رہی ہے، بالوں میں سفیدی آ رہی ہے، چہروں پر جھریاں پڑ رہی ہیں اور اس سب کے بعد موت، پھر قبر میں اتارے جاؤ گے۔ مٹی میں مِل کے مٹی ہو جاؤ گے۔ اتنی چھوٹی سی زندگی کے لیے اتنے فکر اور اتنے غم۔ اصل فکر کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ چند دن کی دنیا کی زندگی تو مٹ جائے گی اس کے بعد کیا ہو گا۔

اس کو بہتر بنانے کے لئے اگلی آیت میں ایک نسخہ دیا گیا۔